ذاتِ حق اور وجودِ حق

حافظ عباد اللہ فاروقی

ذات خداوندی کو ہم اس کی صفات کاملہ کے لحاظ سے کامل مانتے ہیں۔ موجودات خارجیہ جس طرح زمان و مکان میں واقع ہیں اسی طرح علم الٰہی میں ہیں۔ جیسے قبل ظہور وہ علم الٰہی میں موجود تھیں۔ موجودات پر ہر آن ان کے اعیان کے مطابق فیضان جاری ہے۔ اور کُن فیکون کارفرما ہے۔

عرفان ذات ممکن نہیں، البتہ عرفان الٰہی باعتبارات صفات ممکن ہے۔ ہر ایک صفت ایک جداگانہ اسم فعل اور اثر رکھتی ہے۔ ان میں اگرچہ باہم غیریت موہوم ہوتی ہے۔ مگر حقیقت میں وہ تمام صفات ایک ہی ذات میں جمع ہیں اور اللہ ان سب صفات کو جامع ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی صفات مائل بہ ظہور ہوئیں، تو یہ خارجی وجود یعنی کائنات وجود میں آئی۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ (موجودات عالم) اللہ کے اسماء و صفات کا آئینہ ہے اور اس کی ہر شے ذات واجب کے اسم و صفت کا ظہور ہے۔ انسان چونکہ خلیفۃ اللہ ہے۔ اس اعتبار سے وہ مظہر جامع واقع ہوا ہے اس اعتبار سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہستی مطلق کو اپنی جھلک دکھانے کے لئے یہی آئینہ پسند آیا ؎

نظرے کرد کہ بیند بہ جہاں صورت خویش
خیمہ در آب و گِل مزرعۂ آدم زد

کتب مقدسہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا اور آیات قرآنی فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا ... اور لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم - کا اشارہ بھی اسی طرف ہے - غرض جب صفات الٰہیہ نے نزول کیا، تو صورت اختیار کی - اس لحاظ سے مادّی صورت میں بھی وہی ہے - اور منزّہ ہونے کی صورت میں بھی وہی -

ھو الاوّل والآخر والظاھر والباطن - وجود یعنی ہستی حقیقی ایک ہے اس کا ایک ظاہر وجود ہے اور ایک باطن - باطن وجود ایک نور ہے - جو عالم کے لئے ایک جان کی طرح ہے - اسی نور باطن کا عکس ظاہر وجود ہے - ظاہر وجود کا اصل باطن وجود ہے (یعنی نور ہے) اگر باطن نہ ہو تو ظاہر بھی نہ ہو - گویا اس کثرت کی حقیقت وہی وحدت ہے غرض "وجودی اصحاب" کے نزدیک جملہ افرادِ کائنات تجلیاتِ حق ہیں -

سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا

حضرت عبدالقدوس گنگوہی ایک موقع پر فرماتے ہیں -

"حقیقت او سبحان ہستی مطلق است - امّا کسوت کونیہ خاک در جسم محبوباں مے اندازد - و دُور و مہجور مے سازد -"

توحید وجودی میں ماسوا کی نفی ہے - وجود اور موجود میں کوئی امر فارق نہیں - یعنی وجود کسی بھی موجود سے منفک نہیں ہے - اس طرح نظریہ وحدۃ الوجود کی رو سے وجود صرف ایک ہے، وہ وجود ہستی مطلق ہے - مظاہر خارجی اس کی صفات کے مختلف مظاہر اور شیون ہیں - ذات مطلق ہمیشہ جلوہ گری میں مصروف ہے - آیت کُلّ یوم ھُوَ فی شان کا اشارہ اسی طرف ہے -

اس نظریے کے بموجب صفات الٰہیہ و کائنات ایک دوسرے کے عین ہیں - ذات حق مع جملہ صفات کے ایک سمندر کی مانند ہے - اور کائنات اس کی سطح پر حباب اور لہریں ہیں - یہ کائنات ذات خداوندی کے بغیر معدوم ہے جس طرح لہریں بغیر سمندر کے معدوم ہیں - بالفاظِ دیگر ذاتِ حق قائم بالذات ہے لیکن لہریں وغیرہ (کائنات) اعوارض ہیں یعنی عارضی حباب اور امواج اگرچہ

مختلف النوع چیزیں خیال کی جاتی ہیں۔ لیکن ان کا وجود بجز پانی کے اور کچھ نہیں۔

گفتم از وحدت و کثرت سخنے گوی بہ رمز۔ گفت موج و کف و گرداب ہمانا دریاست

نیز
با وحدتِ حق ز کثرتِ خلق چہ باک
صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکیست

غرض کائنات میں صرف ایک ہی ذات کا جلوہ و ظہور ہے۔ جس میں دوئی کی گنجائش نہیں بلکہ دوئی کا خیال بمنزلۂ شرک ہے۔ بصورتِ دگر پھر وہی یزداں و اہرمن کی تفریق قائم ہوگی ــ اور ثنویت لازم آئے گی جو بمنزلۂ شرک کے ہے۔ عارف شیرازی نے درست فرمایا ہے۔

ندیم و مطرب و ساقی ہمہ اوست
خیالِ آب و گل در رہِ بہانہ

اسی طرح کسی حقیقت شناس شاعر کا یہ شعر ہے ؎

کافراں سجدہ کہ بر روئے بتاں مے کردند
ہمہ روسوئے تو بود ہمہ سو روئے تو بود

غرض جملہ مظاہر کائنات ہستی مطلق کی مختلف صفتیں ظاہر کرتے ہیں۔ گو متضاد اصطلاحوں سے ان کی تعبیر کی جاتی ہے خیر و شر، کفر و اسلام، بت و برہمن، اور عاشق و معشوق ایک ہی سلسلۂ نسب میں وابستہ ہیں

درحقیقت نسبِ عاشق و معشوق یکیست
بوالفضولاں صنم و برہمنے ساختہ اند
یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کسے مے نگری انجمنے ساختہ اند

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

حضرت مجدد الف ثانیؒ صفات الٰہیہ کو زائد علی الذات اور عالم کو ظلِ صفات قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک صفات عین ذات نہیں۔ اور نہ ذات صفات سے تکمیل پاتی ہے۔ ذاتِ حق بنفسِ خود

کامل ہے وہ اپنی ذات سے سمیع۔ علیم اور بصیر ہے۔ شیخ مجدّد کے نزدیک صفات ظلِ ذات ہیں اور عالم ظلِّ صفات ہے۔ ان کے نزدیک صفات کا علم بالاتفاق ممتنع ہے۔ مولٰنا رومؒ کے نزدیک بھی اوصاف باری تعالیٰ ادراک انسانی سے باہر ہیں۔ فرماتے ہیں۔

مر صفاتش را چناں داں اے پسر
کز وے اندر وہم ناید جز اثر
ظاہر ست آثار د نور و رحمتش
لیک کے داند جز او ماہیتش
ہیچ ماہیات اوصافِ کمال
کس نداند جز بہ آثار و مثال

اُس طرح شیخ مجدّد کو اس پر اصرار ہے کہ عالم کو اپنے صانع بے چوں کے ساتھ سوائے اس کے اور کوئی نسبت نہیں کہ عالم اس کا مخلوق ہے اور اس کے پوشیدہ کمالات پر دلیل ہے۔ اس حکم کے سوا جتنے حکم ہیں، یعنی اتحاد، عینیت، احاطہ، معیت وغیرہ، وہ سب اہل سلوک کے سُکرِ وقت اور غلبۂ حال پر مبنی ہیں وہ سالک جو صحو سے بہرہ یاب ہو جاتے ہیں، ان علوم سے بیزار ہوتے ہیں۔ انہیں بھی اثنائے راہ میں یہ معارف حاصل ہوئے تھے، لیکن آخر کار وہ ان معارف سے گذر گئے۔ اور علوم شریعت کے مطابق ان پر ایراد کرنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم اور خدا کے مابین اتحاد و عینیت کا اثبات کرنا بڑی سخت غلطی ہے۔ یہ غلطی اس قسم کی ہے جیسے کوئی صاحب کمال اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے کے لئے ایسے حروف اور آوازیں ایجاد کرے جو اس کے کمالات پر دلیل ہوں اس پر کوئی یہ کہنے لگے کہ یہ حروف اور یہ آوازیں اس موجد کا عین ہیں۔

مکتوبات امام ربّانی دفتر اوّل مکتوبات ع ۳۱، ع ۲۸۷ بہ حوالہ حضرت امام ربانی کا نظریہ توحید" شیخ مجددؒ کا نظریہ وحدت الشہود وحدت الوجود کے نظریہ کا ردِّ عمل ہے۔ مولٰنا شبلیؒ سوانح مولٰنا روم (صفحہ ۱۶۱) میں فرماتے ہیں کہ "وحدت وجود اور وحدتِ شہود میں یہ فرق ہے کہ

وحدت وجود کے لحاظ سے ہر چیز کو خدا کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح حباب اور موج کو بھی پانی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن وحدتِ شہود میں یہ اطلاق جائز نہیں کیونکہ انسان کے سائے کو انسان نہیں کہہ سکتے۔"

نظریہ وحدت الشہود کے بموجب ذات حق اور اشیائے کائنات ایک دوسرے کے عین نہیں بلکہ غیر ہیں ذات حق وراء الوراء ہے۔ کائنات اس کی صفات کی مظاہر نہیں۔ بلکہ اس کا ظل یا سایہ ہے سایہ اور اصل میں بہت فرق ہے۔ اس لئے کائنات اور موجودات عالم ذات حق کی صفات کا عین نہیں ہوسکتے۔ مجدد الف ثانیؒ کائنات کو موجود بالذات تصور کرتے ہیں۔ خدا نے عدم محض سے اس کو پیدا کیا ہے۔ اس لئے خدا اور جملہ اشیاء میں خالق اور مخلوق کا تعلق ہے۔ اس میں شک نہیں جب انسان عشق الٰہی میں مستغرق ہوتا ہے تو فورِ محبت سے اسے محبوب کی ذات کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ من و تو کا سوال بھی درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ اور یہ عشق کی انتہا ہے خواجہ حافظ اپنے اس شعر میں اس طرف اشارہ کرتے ہیں ؎

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

یہ ایک خاص کیفیت ہے، جس میں سوائے ذاتِ حق کے کوئی شے نظر نہیں آتی۔ یہ کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے طلوع آفتاب میں ستاروں کی روشنی۔ خارج میں تمام چیزیں موجود ہوتی ہیں لیکن ضیائے شمس کے سامنے معدوم ہو جاتی ہیں۔ لیکن حقیقتاً وہ معدوم نہیں ہوتیں۔

یہ امر ملحوظ رہے کہ مجدد الف ثانیؒ نے اپنے استدلال کی بنیاد منطق و حکمت پر نہیں بلکہ کشف و شہود اور روحانی تجربات پر رکھی ہے۔

شیخ اکبر جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں، فرماتے ہیں کہ وجود کا اطلاق صرف ذاتِ باری تعالیٰ پر ہو سکتا ہے۔ لا موجود الا اللہ۔ صرف اللہ کی ذات ہی وجود کی صفت سے متصف ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وجود ہے کیا؟ وجود ایک ماہیت ہے یا نورؔ۔ وہ نہ عرض ہے نہ جوہر نہ جسم ہے نہ روح بلکہ ایک ماہیّت ہے۔ جس کے مراتب و تنزلات عالم کثرت میں جلوہ گر ہیں۔ مولانا جامی

فرماتے ہیں۔

درکون ومکان نیست عیاں جز یک نور
ظاہر شدہ آں نور بانواع ظہور
حق نور و تنوع ظہورش عالم
توحید ہمیں است دگر وہم وغرور

خواجہ باقی باللہ بھی توحیدِ وجودی اور ہمہ اوست کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں :۔ ہمہ ذراتِ عالم آئینہ صفات اُویند۔ ہر کجا علمے است علم اوست۔ ہر کجا قدرتے است قدرتے اوست ہمہ صفات اویند کہ از پردہ مخلوقات ظہور کردہ اند۔ بل ہمہ اوست۔ مخلوقات نمودنی اند۔ بے بود چنانچہ در آئینہ مے نمایند لیکن آئینہ ہمچناں پاک وصاف است از صورت۔ نہ دروے آئینہ است نہ در درونِ اُو۔"

(رقعات باقیہ قلمی)

حضرت امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات غلبۂ شہود کی وجہ سے حق تعالیٰ کا ماسوا نظروں سے مخفی ہو جاتا ہے۔ تو غلبۂ حال کی وجہ سے ان کی زبان سے انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی جیسے الفاظ نکل پڑتے ہیں۔ جن میں حق کے سوا غیر کی نفی ہوتی ہے۔

شاہ ولی اللہ کا محاکمہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ فیصلہ وحدت الوجود والشہود میں فرماتے ہیں "جس چیز کا نام وحدتِ شہود ہے، وہ یہ ہے کہ اسماء و شیون منعکس ہوگئے ہیں اعدام متقابلہ میں اس طرح ممکن وجود میں آگیا۔ لیکن استعارے اور تشبیہ سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو اس کے معنی فقط یہ نکلتے ہیں کہ واجب کامل ہے اور ممکن ناقص اور ضعیف اور بے حقیقت، اور یہ سمجھنا کہ حقائقِ ممکنات اسماء و صفات ہیں جو مرتبۂ علم میں تمیز ہوگئے ہیں۔ یا یہ سمجھنا کہ حقائق ممکنات اسماء وصفات ہیں جو اعدام متقابلہ میں منطبع ہوگئے ہیں بعینہ ایک ہی بات ہے۔ ان میں اگر کچھ فرق ہے بھی تو وہ لتنا کم ہے کہ صاحبان تفحص اسے خاطر میں نہیں لاتے۔" (حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید صفحہ ۱۲۱)

گویا شاہ ولی اللہ کے نزدیک مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے نظریۂ وحدت الشہود پیش کرکے شیخ اکبر کے نظریۂ وحدت الوجود کی جو تردید کی ہے وہ حقیقت میں تردید نہیں اور نہ وحدتِ وجود اور وحدت شہود میں تباین ہے۔ ان دونوں نظریات میں محض نزاعِ لفظی ہے۔ وحدتِ شہود سے مراد صرف یہ ہے کہ واجب کے کامل ہونے پر اور ممکن کے ناقص اور ہیچ ہونے پر اصرار کیا جائے لیکن ابن عربی بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ ممکن ناقص اور ہیچ ہے اور کمال صرف ذات واجب ہی کو حاصل ہے۔

شاہ صاحب نے اس نکتہ کو بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دو الفاظ ہیں، جو مختلف جگہوں میں بولے جاتے ہیں۔ حالتِ عروج میں جب سالک سیر الی اللہ (یا سیر فی اللہ) کرتا ہے تو وہ خدا سے بہت قریب ہوتا ہے۔ وہ حقیقت جامعہ کی معرفت میں عالم کو فانی سمجھتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ ساقط ہو جائیں۔ غرض یہاں وحدت الوجود کا مطلب استغراق ہے۔ اور جب حالت نزول میں سالک کو نظام دنیا کی غرض سے بندوں کی طرف لوٹنا پڑتا ہے تو وہ وحدۃ الشہود کہنے پر مجبور ہوتا ہے یہ سیر من اللہ کا مقام ہے۔

طویل بحث کے بعد شاہ ولی اللہؒ نے مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ کی رائے سے اتفاق کیا ہے فرماتے ہیں "اسی طرح کلام مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ کا میرے نزدیک مسلّم ہے کیونکہ ان کا مقصود نفی ہے۔ اصل ہونا حقائق کا اس کے مقابل کہ وہ اعتبارات اور اضافات ہیں ان کا مقصود یہ بتانا ہرگز نہیں کہ وجود حق ظاہر ہوا اشیاء میں، اور ان ہی کی وجہ سے ان کا تعین ہوا۔ نہ ان کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی ذات اور کائنات کا فرق محض اعتباری ہے۔"

غرض حضرت شاہ ولی اللہ نے ایک درمیانی راستہ اختیار کرکے ان دونوں نظریوں میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم شاہ صاحب نے شہودیوں کے بعض نظریات کی تردید بھی کی ہے تاکہ اصلیت ظاہر ہو سکے۔ مندرجہ ذیل سطور سے یہ امر بکلی واضح ہو جاتا ہے کہ شاہ صاحب کا رجحان نسبتاً وحدت الوجود کی طرف زیادہ ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے جس صفت نے ظہور کیا وہ اللہ کا نور تھا۔ نور

وجود کا دوسرا نام ہے۔ جو عدم اور مادّے کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس طرح یہ نور قائم مقام بن گیا ذات کا اس عقیدہ کے مطابق اشیائے کائنات تجلیاتِ صفات الٰہیہ ہیں شاہ صاحب کو شہودیوں کا یہ عقیدہ کہ عدم وجود کے بالمقابل ہے جس میں اسماء وصفات کے عکس پڑ رہے ہیں قبول نہیں۔ اس لئے کہ ذات حق قائم بالذّات ہے۔ اس کے مقابل ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ مقابل شے اس کی نفی کر رہی ہے۔ اس طرح وہ عدم کو ذات کا ضد تصوّر نہیں کرتے کیونکہ ضد کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی شے کی نفی کرنے والی ہے۔ یعنی وہ شے جس کی وہ نفی کر رہی ہے اس کی کوئی بھی صفت اس میں موجود نہیں اس لئے وہ نفی کر رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے اللہ واجب الوجود ہے جس کی کوئی شے نفی نہیں کر سکتی بلکہ سب اس کے سہارے قائم ہیں۔ اس کی ذات واحد ہے اس کا کوئی شریک یا غیر موجود نہیں۔ اس اعتبار سے عدم ذات حق کی ضد نہیں۔ اگر ہم شہودیوں کی طرح عدم کو ذات حق کی ضد تسلیم کریں تو ثنویت لازم آئے گی۔ اس لئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ صفات عین ذات ہیں اور ذات عین صفات۔ وہ حضرت مجددؒ اور دیگر شہودیوں کے خیال کے مطابق صفات زائد بر ذات تصور نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اسماء وشیون یا مرتبہ وحدت کو ذات برذات سے تعبیر کرتے ہیں شاہ صاحب کے نزدیک مظاہر کا وجود معنوی خارج میں ظاہر ہونے سے پہلے عالم باطن اور ملاء اعلیٰ میں موجود تھا۔ اور اب بھی ان کا مثالی وجود وہاں موجود ہے۔ تنزلات یعنی تخلیقی اور تکوینی تاثرات کی منزل میں ارادۂ الٰہی کی وجہ سے صفات میں حرکت یا قابلیت پیدا ہوئی اس طرح ذاتِ حق کا فیضان صور علمیہ اور اعیان ثابتہ کو معرضِ وجود وشہود میں لانے کا باعث بنا۔ ان اعیان ثابتہ میں وجود کی بو تک نہ تھی۔ ما شمت رائحۃ الوجود، لیکن تجلی صفات حق نے انہیں ہستی کے لباس سے آراستہ کیا۔ اور یہ نور ہر لحظہ جاری ہے۔ اور یہی تجلی ہر لحظہ کائنات کے افراد کو علم ارادہ حیات اور دیگر صفاتِ ذات (علیٰ قدرِ ظرف واستعداد) سے متصف کرتی رہتی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کا نور ہی ہے جو ہمیں ظلمت سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے یعنی ہستی کا لباس پہناتا ہے۔ اور ہمیں ارادہ بخشتا ہے۔

شاہ صاحب ارتقاء کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ وجودِ حق ہمیشہ سے کائنات کی تخلیق وتعمیر و

ارتقا کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔ یہ محض حقیقت الحقائق کے باطنی علم میں نہیں بلکہ کائنات کے خارجی مظاہر میں بھی ذوق و شوق و مقاصد حیات کی لاتعداد صورتوں میں جلوہ گر ہے۔" اس طرح اسماء و صفات کے مظاہر عالم خارجی، عالم مثال اور عالمِ ملکوت میں برابر جاری و ساری رہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد صوفیا دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ ان میں سے کچھ شاہ صاحب اور مولانا جامی کے ہمنوا تھے۔ لیکن اس کے برعکس ایک گروہ ایسا بھی تھا۔ جو شاہ صاحب کے نظریات کی مخالفت کرتا رہا۔

میر درد "واردات درد" اور "علم الکتاب" میں فرماتے ہیں۔

" وحدت وجود کے فقط یہ معنی ہیں کہ موجود بالذات صرف وہی ہے اور یہ معنی نہیں کہ واجب اور ممکن کی ماہیت ایک ہے۔ اور عبد اور معبود ایک دوسرے کا عین ہیں اور کلّی طبعی کی طرح اپنے افراد میں موجود ہے کیونکہ یہ سراسر زندقہ ہے۔ مذہب میں توحید وجودی کی بایں معنی کوئی اہمیت نہیں کہ وجود موجودات میں ساری ہے۔ کیونکہ کثرت میں وحدت جو عوام کی زبان پر ہے۔ اور ہر ہندو جوگی بھی اس پر گفتگو کرتا ہے۔ نیز اس لئے ایمان کی بھی شرط نہیں بالکل مبتذل مسئلہ ہے جو ذرا سمجھانے سے سمجھ میں آتا ہے۔ لہذا انبیاء کی بعثت کا مقصود نہیں ہوسکتا۔"

مولانا غلام یحییٰ نے شاہ صاحب کی نہایت ہی شد و مد سے تردید کی ہے۔

" شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ وحدت وجود اور وحدت شہود حقیقت اشیاء اور حادث اور قدیم کے مابین ربط کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں کا مطلب ایک ہی ہے سراسر غلط ہے ان دونوں مسلکوں کے درمیان کوئی تطابق کسی طرح ممکن نہیں۔ کیونکہ وحدۃ وجود کی بنیاد عالم اور موجد عالم کے مابین عینیت پر ہے اور وحدۃ الشہود کی رو سے واجب اور ممکن کے درمیان غیریت محض ہے"

وحدت الوجود والشہود مصنفہ مولوی شیخ محمد تھانوی (صفحہ ۱۱۸)